علی محمد فرشی

## علی محمد فرشی

### دیگر تصانیف

| | | |
|---|---|---|
| تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے | (نظمیں) | دوسرا ایڈیشن زیر طبع |
| دکھ لال پرندہ ہے | (ماہیے) | اشاعت1998 |
| گلابی بادلوں میں دن | (نظمیں) | زیر ترتیب |

# علینہ

(نظم)

علی محمد فرشی




حرف اکادمی

۱۰۳۔اے۔پشاور روڈ راولپنڈی

| | |
|---|---|
| اہتمام | کرنل (ر) سید مقبول حسین (ستارہ امتیاز) |
| سرورق | پینٹنگ: عبدالرحمن چغتائی |
| | ڈیزائننگ: سلیم پاشا |
| تخلیق | مارچ1996 تا مارچ2001 |
| اشاعت | مارچ2002 |
| کمپوزنگ | سید امداد علی فون4418496 |
| مطبع | فیض الاسلام پرنٹنگ پریس راولپنڈی |
| قیمت | 120 روپے |



رابطہ مصنف

16-الکرم پلازہ، رانی مارکیٹ ٹینچ بھاٹہ

راولپنڈی۔فون:5582082

اُس کے نام

---

جس کے کچھ روپ اس نظم میں جھلک دے گئے ہیں

# دیباچہ

مہک !

تم نے پوچھا ہے

مجھ کو علینہ کے پیکر نے کیسا پرم رس پلایا

کہ میں اس کے خوابوں کے باغوں سے واپس نہ آیا

پریمی کوی سے نہیں پوچھتے

وہ سوالات، جن کے جوابات لکھنے میں

لاکھوں برس بیت جانے کا خدشہ ہے

# دیباچہ

مہک!

تم نے پوچھا ہے
مجھ کو علینہ کے پیکر نے کیسا پرم رس پلایا
کہ میں اس کے خوابوں کے باغوں سے واپس نہ آیا

پریمی کوی سے نہیں پوچھتے
وہ سوالات، جن کے جوابات لکھنے میں
لاکھوں برس بیت جانے کا خدشہ ہے

فرصت کہاں ہے
محبت کی آیات پڑھنے سے مجھ کو
کہ سوچوں
علینہ کی آنکھوں کے بارے میں
جن سے مجھے آسمانوں کی وسعت بلاتی ہے
سوئی ہوئی آرزوئیں جگاتی ہے
پلکیں جھکیں تو گھنی نیند آتی ہے
دنیا کی ہر ایک شے بھول جاتی ہے

کیسے بتاؤں تمہیں
مخملی انگلیاں اس کی جب
میرے سینے کے صحرا پہ ریشم بچھاتی ہیں
سانسوں کا جنگل مہکتا ہے
دل کا پرندہ چہکتا ہے
لفظوں کے طاؤس جب رقص کرتے ہیں
خالی دلوں کے سمندر
محبت کے امرت سے بھرتے ہیں

خوشبو کی رم جھم میں
بھیگی ہوئی زندگی کو
کہاں اتنی فرصت
کہ لکھے
علینہ کے باغات کی خوبصورت کہانی
جہاں سانس روکے کھڑی ہے جوانی

مہک !
اس محبت میں
کب دیکھنے' سوچنے
اور بتانے کی
فرصت ملی ہے کسی کو
جو مجھ کو ملے گی ؟
محبت تو نیندوں بھرا خواب ہے
دیکھتے دیکھتے آنکھ کھل جائے تو
خواب کا سلسلہ پھر سے جڑتا نہیں
وقت مڑتا نہیں

# پہلا منظر

علینہ!

سن رہی ہے تو؟

پرانی ہڈیوں میں دوڑتی

دیمک کی بے چینی

لہو میں ہانپتی، رکتی، تھکی ہاری

حرارت کی بکھرتی، ٹوٹتی سانسیں

لبوں پر تھرتھراتی

ایک معمولی تمنا کی دعائیں

اور آنکھوں سے اترتی

ریت کی بارش میں گرتی التجائیں

گمشدہ منظر کی آہیں

سن رہی ہے تو؟

علینہ!

دن کے نقشے پر

شہادت کی چمکتی نور انگلی کے اشارے سے

مجھے تو نے بتایا تھا

زمانہ ایک دریا ہے

اور اِس پر آج کا پُل ہے

اِسی پُل پر کھڑے ہو کر

کبھی تو نے مجھے آواز دی تھی-----

اندھیری دھند سے باہر بلایا تھا

مجھے کل کی سیاہی سے نکالا تھا

چمکتے آج کے پُل پر اجالا تھا

علینہ!

ریت کی بارش

کہاں دریا بناتی ہے

فقط صحرا بچھاتی ہے

سلگتے سرسراتے درد کا صحرا

جو ماضی، حال، مستقبل کا وہ کُل ہے
جہاں رستے نہیں اُگتے
جہاں منزل نہیں کھلتی
جہاں اک بار خواہش گر پڑے تو پھر نہیں ملتی

علینہ !

اب یہاں اک سوختہ، خستہ
شکستہ ہڈیوں کا بُھر بُھرا پُل ہے
اور اِس کے ہر طرف پھیلا ہوا کُل ہے
میں اِس ٹوٹے ہوئے پُل سے
ازل سے تا ابد پھیلے ہوئے کُل میں
بکھرتی ریت کے منظر میں گرتا جا رہا ہوں

## دوسرا منظر

علینہ!

غار سے نکلیں

کوئی رستہ بنائیں

اس گھنی، گاڑھی، سیاہی سے نکلنے کا

اندھیرے، اندھے، زہریلے دھوئیں میں

کاربن ہوتی ہوئی عمریں کہاں ہیرا بنائیں گی

کسی نیکلس، انگوٹھی اور جھمکے میں

چمک اٹھنا، کہاں دل کا مقدر ہے

ہمارے کوئلہ ہوتے دنوں کا غم

ہمالہ نے کہاں رونا ہے

کس تاریخ کا چہرہ بھگونا ہے

علینہ!

پھول کے چہرے پہ کھلتی مسکراہٹ

کم نہیں ہوتی

ذرا سی زندگی پا کر

کوئی تتلی نہیں روتی

امر ہونے کا سپنا کب

کسی چڑیا نے دیکھا ہے

سبھی کی ایک ریکھا ہے

سہانی نیند میں جا گا ہوا ہے خواب ''ہونے کا''

سبب کیا ہے نشیلے نین رونے کا

انیلی بارشیں نیلے سمندر کی کثافت پر

بہت آنسو بہاتی ہیں

مگر اس کو معطر کر نہیں سکتیں

کبھی خواہش کے اس کاسے کو

آنکھیں بھر نہیں سکتیں

علینہ!

اس گھنے برگد کے سائے میں

طلسمی اونگھ آتی ہے

مسافت بھول جاتی ہے

ہماری آنکھ میں جاگا ہوا منزل کا سُفنا ہے

ذرا سی دیر رُکنا ہے

کہ سورج کا دہکتا گرم گولا سرد ہو جائے

سمے کی اوڑھنی کچھ زرد ہو جائے

ترے جوگی کا سینہ درد ہو جائے

وگرنہ اِس جہاں جنگل سے کیا لینا

علینہ!

اب دَنی دنیا سے اوپر بھی اٹھا لے نا!

زمیں پر پاؤں جلتے ہیں

# تیسرا منظر

علینہ !

مداوا نہیں تُو

مرے غم کا لیکن ----!

میں اب بھی تری انگلیاں

اپنی آنکھوں پہ رکھے ہوئے منتظر ہوں

بشارت بھری ایسی آواز کا

میرے مہکے ہوئے زخم سے

جس نے سورج کی صورت نکلنا ہے

برفیں پگھلنا ہیں

سیلاب آنے ہیں دریاؤں میں

اور سمندر نے بھرنا ہے

اس روشنی سے

میں جس کو سنبھالے ہوئے

کتنی صدیوں کی بنجر زمینوں پہ چلتا رہا ہوں

تری نور بارش میں جلتا رہا ہوں

مگر تُو نے

اب تک وہ وہ برچھی

مری سخت پتھریلی چھاتی پہ ماری نہیں ہے

جہاں سے وہ جھرنا اترنا ہے

نیچے ازل تا ابد پھیلی گم صم ترائی میں

ریشم سے پاؤں کی کم خواب گھائی میں

صدقے میں جس کے سعادت ملی

دونوں پاؤں پہ چلنے کی

مٹی پہ گھستی ہوئی چھاتیاں

وقت کے سامنے تن گئیں

آدمی بن گئیں

علینہ !

مداوا نہیں تُو

مرے غم کا لیکن----!

مجھے آسمانی بشارت میں

کیوں تیرے بادل کی پلکوں سے

گرتی ہوئی سرخ بوندیں

بھگوتی ہیں

راتیں بھی روتی ہیں

جب کوئی آنسو ترا

دل پہ گرتا ہے

نظموں کے اوراق جلتے ہیں

لفظوں سے صندل کی خوشبو نکلتی ہے

لیکن مرے دل کا جنگل مہکتا نہیں ہے

پرندہ چہکتا نہیں ہے

علینہ!

نہیں ایسا غم،
ایسے غم کا الاؤ
جسے میرے آنسو بجھا دیں
نہیں ایسا گھاؤ،
تری مخملی انگلیاں
جس کو سہلائیں تو نیند آنے لگے
ایسا غم
ایسے غم کا سمندر عطا کر مجھے
جس کے ساحل پہ
اک بار پھر زندگی آنکھ کھولے
پرندہ نئے بول بولے
وہی زمزمے
جو مرے سنگ سینے سے
باہر ہمکنے کو بے تاب ہیں
ان پہ تخلیق کا بند در کھول دے
تو مجھے بھی کبھی سُوت میں تول دے

# چوتھا منظر

علینہ !

زمانہ ابھی تک

تری مرمریں برجیوں کے تلے

کاغذی پیرہن کو سنبھالے ہوئے

دست بستہ کھڑا منتظر ہے

ترے نقرئی اسم کا ورد کرتے ہوئے

کپکپاتے لبوں سے

کئی بار اس نے

مری یخ زدہ انگلیوں پر

وہی سرخ بوسے اتارے ہیں

میں جن کی حدت سے زندہ ہوں اب تک

وگرنہ ترے سرد اقرار کو کھولتے کھولتے
نیلگوں درد کی راکھ کو پھولتے پھولتے
لال خواہش کے دہکے ہوئے
سرخ انگار کی آنچ کو
خون میں گھولتے گھولتے
تھک گیا ہوں
علینہ ! بہت تھک گیا ہوں

علینہ !
تجلی بھری لاٹ کی
جھلملاتی تمازت میں
لپٹی ہوئی زندگی کی طرح
اپنے حجلے سے باہر قدم رکھ
زمانہ زمیں بوس ہو
اک جھلک دیکھنے کو تری
کائناتیں جھکیں
گردشیں آسمانی رکیں

وقت کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں
تیرے دیدار کی
شربتی دھوپ میں
خاک پر
سر جھکائے کھڑی سرمدی بیل پر
دل کشا دل کشا پھول کھلنے لگیں
آدمی اور خدا عید ملنے لگیں

علینہ !
تری کائناتوں کے
اجڑے ہوئے قافلے
میرے دل سے گزرتے ہیں
آنکھوں سے دریا اُمڈتے ہیں
کیسے سمندر بناتے ہیں؟
کن آسمانوں کو جاتے ہیں؟
خوابوں کے بادل بناتے ہیں
بارش کی ست رنگی

محراب کے اِس طرف
آنسوؤں کی چمکتی، دمکتی
(تری مخملی انگلیوں سے پھسلتی)
یہ جل مالا (دائم کے دامن میں) چلتی رہے گی
دھنک میری آنکھوں میں جلتی رہے گی

علینہ!
یہ صلصال کے سلسلے
یونہی ازلوں سے جاری ہیں
جاری رہیں گے
مگر ایک میں-----!
جو ازل اور ابد کے
کہیں وسط میں
چند لمحوں کو چمکا
تو یک دم
ترے سارے حجرے منور ہوئے تھے
زمانے مدوّر ہوئے تھے

بہت ہے

علینہ! بہت ہے

زماں در زماں

پھیلتی گردشوں میں

قرار ایک لمحے کا

اقرار اس سرخوشی کا

(مجھے خواب میں دیکھ کر)

نوریوں ناریوں کے جلو میں

جو اتری

تری آنکھ کی پنکھڑی پر

تو چاہت کی جھیلوں سے

حیرت کا پہلا پرندہ اڑا

میں اچانک

ترے آسمانوں کی جانب مڑا

علینہ !

مگراب----- !

وہی میں

تری مرمریں برجیوں کے تلے

ایک جلوے کی خواہش جلائے کھڑا ہوں

تری بھاگتی دوڑتی

اندھی مخلوق کے ننگے پاؤں تلے

روندے جانے کی سہمی ہوئی سرسراہٹ

مرے دل میں

دیمک کی مانند چلنے لگی ہے

ترے اونچے برجوں کے نیچے لگی

دوربینوں کے پیچھے

زمیں

زاویہ دیکھنے کا بدلنے لگی ہے

علینہ!

ترے سبز اسرار کی

ریشمی چلمنوں سے اِدھر

کتنے نادیدہ منظر ادھورے پڑے ہیں

کبھی اپنے ہونٹوں سے قُم کا

کوئی خُم مجھے بھی عطا کر

میں لفظوں کے ایسے کبوتر بناؤں

تری شش دری ممٹیوں پر

ہمیشہ ہمیشہ

جو اپنی مقدس غٹرغوں غٹرغوں جگاتے رہیں

آسمانوں پہ تارے

سدا جگمگاتے رہیں

میں رہوں نا رہوں

میرے معصوم ننھے پرندے

تری حمد گاتے رہیں

## پانچواں منظر

علینہ!

یہ سونے کی، چاندی کی

دو روٹیاں میرے کس کام کی؟

بھوک مانا کہ اٹھتی ہے پاتال سے

اور بگولے کی مانند افلاک تک

رقص کرتی ہوئی

گرد کی گردشوں میں گھری

گھومتی، ڈولتی، ڈگمگاتی ہوئی
اندھی آندھی بناتی ہے
انسان کھاتی ہے
انسان جو خود زمانہ بناتا ہے
جب اس بگولے میں آتا ہے
روٹی میں تُلتا ہے
مٹی میں رُلتا ہے

میں گرد میں گمشدہ وہ زمانہ ہوں
جس کو ابھی زرد ذروں کی
آندھی سے باہر نکلنے کا
وہ اسمِ اعظم فراموش ہے
جس نے پانی کی تاریکیوں کے تلے
تیرتی مرگ مچھلی کے اندر اندھیروں میں
پھر جگمگاتی ہوئی زندگی گھول دی
بھولے بھٹکے ہوئے آدمی کے لیے
قید میں تلملاتی ہوئی روشنی کھول دی

## گرد کی قید میں

گردشوں، گرد بادوں سے
باہر نکلنے کا رستہ نہیں مل رہا
گرد سے گُل میں تبدیل ہونے کی خواہش
ترے ایک آنسو کی محتاج ہے
میں زمانہ ہوں
تو ہی مرا کل، مرا آج ہے!

# چھٹا منظر

علینہ!

تجھے میں نے

سہ منزلہ وقت کی سیڑھیوں پر

چہکتی ہوئی حیرتوں کے جلو میں گھری

مسکراتی ہوئی

آرزو کی طرح دیکھ کر

اپنے ہاتھوں کی بے آب

بجھتی لکیروں کو دیکھا تھا

جن کے کناروں پہ ''لا'' کا خلا

ایسے پھیلا ہوا تھا

کہ جیسے ترے آسمانوں کا انکار

نیلے سمندر پہ پھیلا ہے

میلا ہے' میلا ہے' گدلا ہے

مٹی کا دریا

علینہ!

میں مٹی کے دریا کی وہ لہر ہوں

جس پہ نیندوں کی کائی جمی ہے

نہ ہونے کی، ہونے کی' اندھی سیاہی جمی ہے

میں وہ خواب ہوں

جس کو کائی' سیاہی کے اندر

تڑپتی' پھڑکتی ہوئی جل پری کا

پرندوں سے ٹوٹا ہوا راز معلوم ہے

آب کے گمشدہ عہد سے

میرے معلوم مٹی کے دریا تلک

جتنا قصہ ہے

خوابوں کا حصہ ہے

سہ منزلہ وقت کی سیڑھیوں پر کھڑی

حیرتی آرزو کی کہانی ہے

پانی ہے

## پانی

ترے آسمانوں کی وہ مہربانی ہے
میں جس کی بوندوں میں
ہونے نہ ہونے کی نیندوں سے باہر نکلتا ہوں
پانی کی سرحد سے ملتا ہوں
پانی کی سرحد سمندر بناتی ہے
مٹیالے دریا کو شفاف کرتی ہے
شفاف پانی پہ
اجلے پرندے اترتے ہیں
اچھے دنوں کی کہانی سناتے ہیں
جب آرزو کے
بلند آسمانی مکانوں میں رہتے تھے
کہتے تھے
"پانی ہے! پانی ہے! پانی ہے!
خوابوں کی پھیلی ہوئی لازمانی میں
جانے کہاں تک روانی ہے
معلوم کی سرحدوں سے نکلنا ہے

خواہش کی مٹی پہ کھلنا ہے
پانی کو پانی سے مِلنا ہے''

میں بھی
پری، جل پری بھی
پرندے بھی
سب چہچہاتے تھے
اجلی جدائی کے نغمات گاتے تھے
آنکھوں سے نورانی پانی بناتے تھے
پانی سے ملنے کی
ننھی دعاؤں کو
مٹی کی کشتی میں رکھ کر بہاتے تھے

سہ منزلہ وقت کی سیڑھیوں پر
تنے آسمانوں پہ
پھیلے ہوئے بادلوں میں
مہکتی ہوئی آرزو مسکراتی ہے

گاتی ہے

''پانی ہے! پانی ہے! پانی ہے!

موجوں کی اٹکھیلیاں زندگانی ہے

ورنہ تو سب رائیگانی ہے

فانی ہے! فانی ہے! فانی ہے! فانی ہے!''

# ساتواں منظر

علینہ !

ترے کینوس پر

کوئی مونالیزا نہیں مسکرائی

کوئی سن فلاور نہیں کھل سکا

تیرے ایزل پہ برفوں کا موسم رہا

جیسے لٹھے کا اجلا کفن تو نے پہنا دیا وقت کو

آدمی خالی منظر میں تنہا کھڑا رہ گیا

گیلری سے گزرتے ہوئے

میں بھی حیرت کی اس پینٹنگ کے تلے

زندگی بھر رُکا

اور پھر اپنی نظموں کا رنگین ملبوس پہنے ہوئے

تیرے برفاب موسم کے میدان میں آ گیا-----!

## آٹھواں منظر

علینہ !

تکونی محبت کی جس قید میں

دل نے چالیس برسوں تلک

خود کو تیری عبادت میں مصروف رکھا

صلہ اُس کا رکن آسمانوں پہ محفوظ ہے

غیر محفوظ لوحوں پہ لکھتے ہوئے

انگلیاں تھک گئیں

نظم کچی سیاہی سے لکھی ہوئی

اور ساون کا موسم !

تجھے یاد ہے

اپنا چمکیلا وعدہ

چھپائے ہوئے

جس کو سینے کے جزدان میں

جب زمانے کی سرحد سے

باہر نکلنے کی تدبیر کرتا ہوں

پتوں کے ہاتھوں پہ ابھری

لکیروں میں پوشیدہ تقدیر ہنستی ہے

دل کپکپاتا ہے

کب یاد آتا ہے

ان شاطروں کو

جو چوسر پہ چالاک چالیں چلانے میں مشغول ہیں

موت خانوں میں ڈر ڈر کے چلتی ہوئی زندگی کتنی معصوم ہے

وقت سے جیتنے کی مسرت میں مصروف ہے

درد کا صُوف ہے

جس کو اوڑھے ہوئے

لفظ کی سلطنت سے نکل جاؤں گا
ہجرتیں جن پرندوں کی تقدیر ہوں
ان کی رخصت کا سازینہ
سنتے ہوئے جنگلوں میں
اداسی دبے پاؤں آتی ہے
کیوں بھول جاتے ہیں پتے
خزاں تالیوں کے تعاقب میں رہتی ہے
شاخیں ہوا کو بلاتی ہیں
زیور پرانا لٹاتی ہیں

دائم، علینہ!
فقط تیرے پھولوں کی خوشبو ہے
جن سے چرائی ہوئی چند نظمیں ہمیشہ ہمیشہ مہکتی رہیں گی
درختوں پہ موسم بدلتے رہیں گے
پرندے محبت کے لیکن چہکتے رہیں گے

## نواں منظر

علینہ!

میں لنڈے کی لیروں میں

دل کو لپیٹے

تری بارگہ میں کھڑا سوچتا ہوں

یہ اترن مرے غم کا ننگا بدن کیسے ڈھانپے گی

حسرت کے ملبوس کی دھجیاں

بُھر بُھری ہڈیوں کی صلیبوں پہ لٹکی ہوئی

کن پرندوں کو عبرت کا قصہ سناتی ہیں

خلعت کے خوابوں میں بھٹکی ہوئی عظمتیں

کس کہانی کا حصہ ہیں

کن داستانوں کی تمہید ہیں

تیری تمجید ہیں
جن کی ترتیل کرتے ہوئے
ہونٹ نیلی نقاہت سے نیلے "نہیں" تک لرزتے ہیں
یخ بستہ جیون پہ اونی لبادہ ہے
دل کتنا سادہ ہے
خیرات کو تن کی زینت بناتا ہے
مردہ خیالات کھاتا ہے
مردود و مردہ دعائیں علینہ !
تری بارگاہوں کے باہر پڑی سوچتی ہیں
شمار ان کا کیسی عبادت میں ہوگا

# دسواں منظر

علینہ!

ترے آسمانوں کی رحمت نہیں تھی

وہ گڑیا کے آنسو تھے

بچپن مرا جن میں بھیگا ہوا خواب تھا

خواب کے ایک کونے میں

سمٹی، ٹھٹھرتی ہوئی ننھی چڑیا تھی

چڑیا کے خوابوں میں پیوست جادو کی کیلیں تھیں

کیلوں سے رستا ہوا زہر تھا

رات کا قہر تھا

آنکھ دل میں کھلی

کھڑکیوں سے پرے تیز بارش میں گھلتی ہوئی

تیری مٹی کی دنیا کے غم نے رلایا بہت

# گیارہواں منظر

علینہ!

مجھے بیلا ڈونا کے پھولوں سے

مریم کی بانہوں کی بیلوں تلک

(جن پہ سولی کا شہزادہ سوتا رہا)

کِھلتی سچائی کی

اس کی خوشبو میں بھیگی ہوا کی قسم

رابعہ کے مصلے کی

سیتا کے پاؤں' ٹریسا کے ہاتھوں

تری انگلیوں کی قسم

میں نے دیکھا ہے

سب عورتوں کی محبت کے باغات میں

درد کی رات میں

نور بوتے ہوئے' دل بھگوتے ہوئے' تجھ کو روتے ہوئے

علینہ!

میں خود ماروی کی کہانی میں
سَسّی کی نندا سی نیندوں کے جنگل میں، جلتی جوانی میں
سوہنی کے جوشیلے پانی میں
گھلتی ہوئی کچی مٹی کے دکھ میں
وصالوں کے سکھ میں
کئی بار تجھ سے ملا ہوں
محبت کے باغات میں جب کھلا ہوں
تو خوشبو مری
آسمانوں سے تجھ کو بلاتی رہی ہے
تو اکثر نئے رنگ پہنے
زمینی سیاحت پہ آتی رہی ہے
مری چند روزہ کہانی علینہ!
زمانے کو، تجھ کو رلاتی رہی ہے

علینہ!

مرے درد کے پھول بانہوں میں ڈالے

کسی روز وینس کو دل سے لگا لے

وہ بازو جو گجروں سے محروم ہیں
انگلیاں جو مشینوں کے بٹنوں پہ چلتے ہوئے تھک گئیں
فائلیں جن کے سپنوں کا مقسوم ہیں
وہ ترے سرخ ہونٹوں کی مظلوم ہیں

خواب رنگے اجالے علینہ!
بشارت بھری نیلی بُکل سے
اجڑی ہوئی کالی دنیا کے دن پر گرا دے
مجھے آخری بار
مٹی میں ملنے سے پہلے ہنسا دے

# بارہواں منظر

علینہ !

نئے آدمی کے

مقدر کا نقشہ بناتے ہوئے

مغربی ساحروں نے

تری فائلوں سے چرائے ہوئے راز کو

کس قدر ایٹمی زندگی کے تصور میں شامل کیا تھا

فقط ہیروشیما کی مٹی کو معلوم ہے

جس کی چھاتی سے لپٹی ہوئی موت اب تک

سنہری اجالے کی چادر میں

منہ کو چھپائے سسکتی ہے

بازار میں زندگی کتنے ڈالر میں بکتی ہے

ان بدوؤں کو ضرورت نہیں بھاؤ معلوم کرنے کی

پاؤں تلے جن کے

نہریں رواں تیل کی ہوگئیں

عدل کے شہر میں

کتنی مائیں دلاسے کے پتھر پکاتے ہوئے سو گئیں
لڑکیاں دیکھتے دیکھتے پتھروں کی طرح ہو گئیں

خاک زادوں کی بستی سے
نوری زمانوں کی ان سرحدوں تک
جہاں آسماں
جھک کے مٹی سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے
کتنے دنوں کی مسافت ہے
کتنے دلوں کی مساحت ہے
امید کی کن جریبوں سے ناپے گی دنیا

علینہ!
مرے نقرئی آنسوؤں کی طرح جھلملاتے ہوئے
خوبصورت کتابوں کے الفاظ
تیری مناجات کرتے رہیں گے
مگر آگ جادوگروں کی لگائی ہوئی
ان سے کیسے بجھے گی

## تیرہواں منظر

علینہ !

ترے آسمانوں پہ

اڑتے جہازوں نے

کن اشتہاروں کو

دنیا کے دل پر گرایا

کہ اسکول کے ٹاٹ پر

مخملیں مخملیں پھول کھلنے لگے

وقت کے طیف سے

زیست کو کیف کے رنگ ملنے لگے

ارغوانی لہو میں شرارت کی لہریں مچلنے لگیں

کاغذی کشتیاں شادمانی کے پانی پہ چلنے لگیں

علینہ !

علیزے تو اسکول کی بوڑھی دیوار پر
فلم کے پوسٹر کی طرح شوخ لڑکا تھا
فرتوت دانش کی عینک کے پیچھے چھپی
سرخ آنکھوں سے ڈرتا نہ تھا
اس کے بستے میں پریوں کے پر تھے
طلسماتی تختی تھی
جس پر سبھی اسم لکھے ہوئے تھے
جنہیں پڑھتے پڑھتے
فرشتوں کی عمروں میں خم آ گیا تھا
کہولت بھری پارسائی کی آنکھوں میں نم آ گیا تھا

علینہ !

تجھے یاد ہے
جب علیزے کے لقے کبوتر
تری مرمریں ممٹیوں سے بہت دور
مٹی کے تودے پہ اترے تھے

جنگل میں سہمی ہوئی

ساری مخلوق حیران تھی

اس سے پہلے تو

دنیا کی دنیا ہی ویران تھی

جب علیزے نے

مٹی کے تودے پہ

تیری محبت کی مورت بنائی

تو کتنے زمانے

شکایات لے کر

ترے در پہ پہنچے

مگر حاضری

اور حضوری کا مطلب

کہاں ان کو معلوم تھا

وہ لکیروں پہ چلتے فقیروں کی مانند اندھے تھے

چلتے رہے

تا قیامت چلیں گے

مگر کون دیکھے گا رک کر
لکیروں کے مردہ نشانات کو
جن سے خوشبو کی تصویر بنتی نہیں

لوگ رکتے ہیں
لیکن علینہ کی تصویر کے سامنے
جھومتے وقت کا
ہاتھ تھامے ہوئے
رقصِ درویش میں
ہجر کے بھیس میں، وصل کے دیس میں

وصل کے دیس میں
تیرے پھولوں سے مہکی ہوئی انگلیاں
جب لکیروں کو چھوتی ہیں
قوسیں بناتی ہیں
قوس قزح سے
تری جلوہ گہ سے

## حجابوں کے رنگوں کا پردہ اٹھاتی ہیں

دیدار کی سرمدی دھوپ کا

روپ گہرا ہوا

میں ترے سامنے

کب کا ٹھہرا ہوا

حیرتوں کا نشاں ہو گیا ہوں

علینہ !

ادھر دیکھ میں آسماں ہو گیا ہوں

# چودہواں منظر

علینہ!

ابھی نیند کے سرمئی پھول مہکے ہوئے تھے

گھنے خواب کے جنگلوں سے

نکلنے کا رستہ نہیں مل رہا تھا

جہاں نرگسی روشنی کی پھواروں میں آدم کا دل کِھل رہا تھا

جھنا جھن کبوتر کی جھانجن بجی

آنکھ میری کھلی

''لا'' کے باغات میں

آدمی کِھل رہے تھے

(تری سبز خوشبو میں بھیگی)

خوشی سے گلے مِل رہے تھے

علینہ !

مجھے وقت کے آخری گیٹ پر
جس نے تیری تصاویر تحفے میں دیں
اور ہاتھوں پہ مہکے ہوئے سرخ بوسوں کا توثیق نامہ
اُسی بے قراری کو
تیرے محلات میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں
مگر مہرباں رات کب اپنے غرفے کا دروازہ کھولے گی مجھ پر
سماوات دن رات کی گردشوں سے وراء
اور میں دودھیا چاندنی میں بدن کو بھگونے کا رسیا
اندھیرے کے ریشم میں
خوابوں کے مخمل پہ سونے کا عادی

علینہ !

ترے دلربا آسمانوں پہ
دیدار کی پرسکوں تابنا کی ہے
لیکن مرا خواب خاکی ہے
جس نے زمینی سیاحت میں

رنگوں کے ایسے مناظر کو البم کیا ہے
جو اب تک تری جنتوں میں کھلے ہی نہیں
غم سے غم کے ستارے مِلے ہی نہیں

زندگی کتنی معصومیت سے مناتی رہی
ننھی مشروم کی دودھیا چھاؤں میں
قرمزی دلہنوں کا ہنی مون
بارات جن کی
ہری رُت کے بیلے میں ہر سال میلہ لگاتی تھی
کب نیند آتی تھی
بارش کے ایسے رسیلے دنوں میں
جنھیں کوئی گِن گِن کے رکھتی تھی
گڑیا کے ننھے سرہانے کے نیچے
جہاں ایک بلبل کے گانے
میں سنتا تھا پھولوں کے خوابوں میں چھپ کر
بہوٹی سے شادی رچاتا تھا
تتلی کو سوکن بناتا تھا

لیکن علینہ !

یہ سب خوبصورت زمیں زاد
اب تیرے خوابوں کے محلوں میں
کیوں یاد آنے لگے ہیں
ترے نیلگوں گنبدوں تک پہنچنے میں کتنے زمانے لگے ہیں !

# پندرہواں منظر

علینہ !

سدھارتھ کا

پاکیزہ پاؤں
زمینی کشش سے نکل کر

زمانے کے زینے پہ روشن ہوا تو
بہت نیچے ننھی ہری گھاس میں
یگ بھری ساعتیں شبنمی موتیوں کی طرح جگمگانے لگیں
کہکشائیں سبھی مسکرانے لگیں

سب نے دیکھی
زماں تا زماں پھیلتی روشنی
اک یشودھا کی چھاتی کا گھاؤ نہ دیکھا
سدھارتھ کے نروان کی بارشوں میں
یشودھا کے صحرا سلگتے رہے
دن گزرتے رہے
دن گزر جائیں گے
کون دیکھے گا
پاؤں کے نیچے دبی کسمساتی ہوئی خواہشیں
جن کے کرموں میں
عظمت کی سیڑھی لگانے کو
دل بھر جگہ دان دینا بھی لکھا گیا تھا

علینہ!
میں کس مہرباں دل پہ
رکھتے ہوئے پاؤں اپنے
ترے آسمانوں پہ آیا

کہ نیچے زمیں
سرخ آنچل میں لپٹی ہوئی
ایک دلہن کی مانند
ہر شب بلاتی رہی
میری آنکھوں کو تارے رلاتی رہی

کہکشائیں علینہ!
جو نظموں کی صورت
مرے آنسوؤں میں اترتی ہیں
کیسے مداوا کریں گی
یشودھا کی راتوں میں پھیلی ہوئی
سرد تنہائی کا
جس سے گرمیلی خوشبو جدا ہو گئی
تو مری نظم کے آسماں کا خدا ہو گئی
اور نیچے
یشودھا کی مخلوق بے آسرا-----!

# سولھواں منظر

علینہ !

وہ ننھی سی اک موم بتی

جو تصویر میں کیک پر جھلملاتی ہے

بوسیدہ، بوڑھے دنوں کو ہنساتی ہے

ننھی قمیصیں، جرابیں، سویٹر

جو موسم بدلتے ہی

بکسوں سے باہر نکلتے ہیں

بچے انہیں دیکھ کر خوب ہنستے ہیں

''پاپا! کبھی آپ اتنے سے تھے''
''نیند میں چُوسنی چُوستے
آپ کو ہم نے دیکھا نہیں''

آرزو کی بہت عمر لمبی ہے، لیکن
یہ مٹی کا دل ہی
بہت مختصر دن لیے غم کی دنیا میں آیا
کہاں جائیں گے
کھیلتی عمر کا ہاتھ تھامے ہوئے
یہ زمیں
وقت کی ٹھوکروں میں پڑی گیند ہے
اور ہم
اس کے خوابوں کو دل سے لگائے ہوئے
اپنے گرمیلے بستر میں خرگوشیاں کر رہے ہیں

علینہ!
مشینی دماغوں سے

روبوٹ باہر نکل آئے تو
زندگی تیرے گڑیا گھروں میں
کہاں تک بچائے گی
ننھے کھلونوں کی ٹوٹی ہوئی آرزوئیں

اڑن طشتری سے
کہاں سنتا بابا اتر آئے گا
جگمگاتے تحائف سے
بچوں کی الماریاں
کون چپکے سے بھرنے' دبے پاؤں آئے گا
دنیا کرسمس منانے کی تیاریاں کر رہی ہے
مگر جس خلائی شٹل نے
ابھی ایٹمی روشنی کے جھماکوں میں
کالی سیہ موت کی ننگی تصویر لینا ہے
کس شہر کے پیڈ سے اس کو چھوڑا گیا تھا

خلا میں نکل جائیں گے
جن کے ریموٹ میں
ڈالروں کی توانائی موجود ہے
کتنا بے سود ہے
نالیوں کے کناروں پہ
گن گن کے
جیون کے قطروں کو دل سے بہانا
اسی آرزو میں
کہ کب ایک سورج نیا بھیج دے تُو
کرسمس کا دن خوبصورت بنا دے
لئی کے کنارے پہ جنت لِٹا دے

# سترہواں منظر

علینہ!

مری چھاتیوں میں

اگر دودھ اترے

تو پیاسے لبوں کی حرارت

مرے برف زاروں کو پگھلا کے دریا بنا دے

میں بیمار، پیاسی زمینوں سے گزروں

تو مفلوج، فاقہ زدہ عہد میں

گندمی زندگی کے اجالے اگا دوں

سمندر سے جا کر ملوں

اس کے نمکین پانی میں

اپنی محبت کی مصری ملا دوں

اسے تیری رحمت کا زم زم بنا دوں

علینہ!

مگر یہ جو پتھر کی سِل ہے

کبھی اس پہ تیرے کبوتر اترتے

تو سِل کے تلے کسمساتے ہوئے

دل کو محسوس کرتے

دھڑکتی ہوئی زندگانی روانی میں آتی

کوئی معجزاتی نشانی کہانی میں آتی

''علینہ!'' ''علینا!'' ''علینہ!'' ''علینا!'' -- کی دھک دھک میں

تھم تھم کے چلتی جوانی مقدس محبت کا دریا بناتی

# اٹھارہواں منظر

علینہ !

علیزے نے تیرے کھلونوں کی الماریوں سے

چرائے ہوئے خوبصورت دنوں کو

برس ہا برس دل کے صندوقچے میں چھپا کر

زمانے کی نظروں سے محفوظ رکھا تھا

کس کو خبر تھی

کھلونوں کی الماریوں میں چھپے ان خزانوں کی

جن کو علیزے نے

لمبے دنوں کی خموشی بھری دوپہر میں

شرارت کے خوابوں کے پہلو سے اٹھ کر چرایا تھا

لیکن یہ نظمیں
تو معصوم لڑکی کی مانند
سب کو بتاتی ہیں
تیرے سنہرے خزانوں کے قصے سناتی ہیں
جن تک پہنچنے کی خاطر
زماں در زماں
خاک سر، در بدر، گھومتے بے وطن
اب مسافر سے ایسے مہاجر ہوئے ہیں
جنہیں درد کی بارشوں میں
مہکتی ہوئی اپنی مٹی کی خوشبو بلائے
تو حیرت سے
اپنے پرانے دنوں کی تصاویر کو
یوں الٹتے پلٹتے ہیں
خوابوں کے البم میں جیسے کوئی
گمشدہ رات کی روشنی ڈھونڈتا ہو

علینہ!

مگر خواب اور روشنی کے

کہیں درمیاں

درد کا ایک قلزم بھی حائل ہے

جس سے گزرنے کی خاطر

کتابوں کے بوسیدہ کاغذ کی ناؤ نہیں

دل کے ٹکڑے پہ بہنے کا فن چاہیے

دل کے ٹکڑے پہ بہتے ہوئے

درد کے قلزموں سے گزرتا ہوں

جس پر ترے سرخ بوسوں کے

ایسے نمایاں نشانات ہیں

جن کو دھونے کی حسرت میں

آنکھوں کے پانی سے دنیا

دَنی آرزوؤں کے جوہڑ بناتی ہے

معصوم لڑکی بتاتی ہے
آنسو کے قلزم میں
اک جل پری جب محبت کی پوشاک دھوتی ہے
روتی ہے
موتی بہاتی ہے
روشن دنوں کے خزانے لٹاتی ہے

روشن دنوں کے خزانے علینہ !
کھلونوں کی الماریوں سے نکلتے رہیں
دوپہر کی خموشی میں خوشبو بھرے پھول کھلتے رہیں

# انیسواں منظر

علینہ !

ترے نیلمیں منظروں پر

گلابی دھواں دیکھ کر

سرمئی دوریوں پر کھڑی حیرتوں نے

شرارت بھری شوخ نظروں سے دیکھا مجھے

ہر طرف سے ''مبارک!'' ''مبارک!'' کے پھولوں کی برسات ہونے

لگی

نظم کے باغ میں

جس نے میرے ''جنم'' دن کی خوشبو کا پودا لگایا تھا

رونے لگی

ریتلے دکھ کے صحرا بھگونے لگی

سال پر

سال کی ریت گرتی رہی، ریت گرتی رہے گی

تمنا کی مٹی بکھرتی رہے گی

جنم دن کا ننھا سا ذرہ

زمانوں کے صحرا میں کھو جائے گا

درد کا تلملاتا بگولا بھی سو جائے گا

وقت کی دھند میں

نیلمیں منظروں کا گلابی دھواں بھی

عدم کی سیاہی میں تحلیل ہو جائے گا

لڑکیاں جب چھلکتی ہوئی آرزوؤں کے برتن اٹھائے

ترے آسمانی جھروکوں کے نیچے سے گزریں

ترے نیلگوں منظروں کے عقب میں

کوئی خواب سلگے

گلابی دھواں ریشمی آرزوؤں سے نکلے

بہت دور

بکھرے ہوئے دل کے ٹکڑوں پہ

بارش کا منظر بنانا

علینہ!

مری خاک پر

چند آنسو بہانا

# بیسواں منظر

علینہ!

گلابی پری ماڈرن

جس نے میری دلہن کو

نئی زندگی کی عروسی عطا کی

مری ساری نظموں سے بڑھ کر حسیں ہے

وہ نرسیں

جو بیمار جسموں کا دکھ

ابنِ مریم کی پوروں سے محسوس کرتی ہیں

آنکھوں میں ان کی خدا مسکراتا ہے

خود زندگی ان کے ملبوس پہنے

کرسمس مناتی ہے

دکھ بھول جاتی ہے

عیسیٰ کی سولی سے رِستے لہو کا

شفایاب آدم کے ہونٹوں پہ

ایسی دعا کے پرندے اترتے ہیں
جن کو رسولوں سے پہلے
زمیں پر اتارا گیا

کن پرندوں کے بیمار دکھ میں
زمیں دق زدہ لڑکیوں کی طرح
زندگی کی طرف دیکھتی ہے
مسیحا کی آمد کے سب منتظر ہیں
خمینی! خمینی! کی تکرار میں
خلق اپنے لہو کی
صداقت کی پہچان سے منحرف
آسماں کی طرف دیکھتی ہے
جہاں ایک چپ کی گھٹا میں
کسی حرفِ کُن کا نشاں تک نہیں
کان سنتے رہیں گے ''نہیں''
اپنے ہاتھوں پہ جب تک
ریاضت کا اعجاز کُھلتا نہیں

# اکیسواں منظر

علینہ!

سواں کے کنارے

جہاں ایک ٹیلے پہ سادھو کی مانند

خاموش بیٹھا ہوا گاؤں میرا

زمانے کی لہروں کو گننے میں مصروف ہے

اور میں

مچھلیوں کو پکڑنے کی الجھی ہوئی ڈور میں

زندگی کی گرہ کھولتے کھولتے تھک گیا ہوں

علینہ!

اسی خوابنائے سے
تیرا سفینہ بھی گزرے گا!
جس میں لئی شہر بھر کے
گناہوں کی کالک ملاتی ہے
کب دلدلی ساحلوں سے
دھمک نوجوانوں کے قدموں کی آتی ہے
نمکین بدبو اگلتی ہوئی رات میں
جب مچھیروں کے جالوں سے
گندے لفافے نکلنے لگیں
''بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیاں'' ☆
کیوں نہ ڈالر کی منڈی میں جا کر بکیں

کون میرے جیالوں کی
قبروں کے کتبے پڑھے
جن کے تمغات چاندی کے بھاؤ بکے

اور استاد ردّی کی دکّان پر

جن کی پنشن کی کاپی میں

بیوہ کی خواہش کا اندراج

ماہانہ خانے میں ہوتا ہے

تحقیق! ان نوجواں عورتوں کے لیے

جو بشارت ہے جنت کی

لاریب! اس کی خوشی

دوزخی پیٹ کے واسطے بے معانی ہے

ایسی کہانی ہے

سنتے ہوئے جس کو آتی نہیں نیند

السر کے پھٹنے کا ڈر جاگتا ہے

یہ وہ سرزمیں ہے علینہ!

جہاں آدمی نے کھڑے ہو کے پہلے پہل

تیرے نیلے فلک کی طرف ہاتھ اپنے اٹھائے

دعا اوک میں پھول بن کر کھلی

آدمی سے تجھے کچھ خوشی تو ملی

یہ وہی آدمی تھا علینہ!

ترے سرخ ہونٹوں کے آفاق پر

جس نے پہلے تکلم کی تکریم کی

جس نے لَاتَعلَمُونَ کی تجسیم کی

میں اسی آدمی کی طریقت پہ چلتا رہا ہوں

چلوں گا

جہاں تک ترا آسماں ساتھ چلتا رہے گا

ترے دائمی آئینے میں علینہ!

مرے غم کا چہرہ بدلتا رہے گا

☆ احسان اکبر

# بائیسواں منظر

علینہ!

اجازت کی دہلیز پر

آخری شام کی اوٹ سے

میں ترے جگمگاتے ستاروں کو

یوں دیکھتا ہوں

کہ جیسے کوئی کہکشاں

ہاتھ اپنا بڑھا کر

ابھی روک لے گی مجھے

ہجرتوں کی سیاہی میں تحلیل ہونے نہ دے گی

مجھے خوبصورت زمانے پہ رونے نہ دے گی

زمانہ اگرچہ فقط ایک موہوم امید ہے
جس نے تیرے محلات میں
آرزو کی تجلی ہی دیکھی ہے اب تک
ابھی اس نے بنتا سنورتا ہوا میرا سایہ بھی دیکھا نہیں

تیرے غرفوں میں نیندوں بھری ساعتیں
کس کے خوابوں کی خوشبو سے بیدار ہونے کی
خواہش کو اوڑھے ہوئے سو رہی ہیں
علینہ!
مرے دل میں کیوں لڑکیاں رو رہی ہیں؟

علینہ!
مجھے بے یقیں موسموں سے
گزرتے ہوئے
یہ تو معلوم تھا
وہ پرستانی شہزادہ
جس نے تری خوابگاہوں کے

سوئے ہوئے منظروں کو جگانا ہے اک دن
وہ میں تو نہیں ہوں
مگر جب تری آسمانی عبا سے چھلکتی
گلابی تجلی نے
میری بصارت کو خیرہ کیا تو
زمیں میرے تلووں کے نیچے مہکنے لگی
دل کے پنجرے میں
صدیوں سے گم صم تمنا چہکنے لگی
میں یونہی خوش گمانی کے
خوابوں کے جنگل میں چلتے ہوئے
تیری نیندوں کے محلوں میں سوئے ہوئے منظروں کو
جگانے کی خواہش میں
خود کو
بہت خوبصورت سمجھنے لگا تھا

# آخری منظر

علینہ !

علی نہ، علی نہ، علی نہ

کی تسبیح میں جھلملاتے ہوئے ''لا'' کے موتی

الوہی الاؤ سے

لوسی ہوئی انگلیوں میں سنبھلتے نہیں

دن بدلتے نہیں

روز امروز کے

خالی حجرے سے باہر نکلتا ہے

ویران مٹی کے بنجر مقدر سے ملتا ہے

پیلو کے پکنے کا موسم

کہاں دل کے بیلے میں کِھلتا ہے

روہی کی ریتوں میں
پلکوں سے گرتے ہوئے موتیوں کو
مقدر کے غم کا وظیفہ بناتے بناتے
تجھے دل کا قصہ سناتے سناتے
تری ریت پر خود کو لکھ کر مٹاتے مٹاتے
مری عمر کا سولہواں سال تھکنے لگا ہے
جو تیرے زمانوں کی تقویم میں
ایک پَل سے بھی کم ہے
یہی ایک غم ہے!

علینہ!
یہی ایک غم ہے
جہاں خاک نم ہے
ستارے وہاں دل نے بوئے ہوئے ہیں
تری کہکشاؤں میں درد یلے دن میرے کھوئے ہوئے ہیں
نکلتا نہیں راستہ
غم کی اندھی گپھاؤں سے

تقدیر کی ان سیہ خندقوں سے
جہاں تیری صدیوں کی نوری محبت
گھنی نیند سوئی ہوئی ہے
علینہ!
تُو کِن آسمانوں میں کھوئی ہوئی ہے

علینہ!
مرے روز و شب کی ریاضت
مجھے لمحہ لمحہ گراتی ہے
تقدیر کی ریگ ساعت سے
گرتے بکھرتے الستی زمانے
علی نہ، علی نہ، کی تکرار سے
تیرے اسرار تک پھیلتے فاصلے
''کُن'' کی کِن کائناتوں کی تفسیر ہیں
تیری تدبیر ہیں؟
تیری تدبیر کی جن تماشا گھروں میں نمائش ہوئی
ان میں ممکن کے منظر

فقط میری تقصیر تھے
تیری تصویر تھے!

تیری تصویر کو ' اپنی تقدیر کو
دل کے حیرت کدے میں سجائے ہوئے
راکھ میں اپنے ہونے کی چنگاریوں کو چھپائے ہوئے
تیرے آتش کدے سے ادھر غیب کے غم کدے میں
صلیبی صداقت کے سائے میں سر کو جھکائے ہوئے
ایلی آ! ایلی آ! کی صدا
اپنے ہونٹوں کے پیچھے چھپائے ہوئے
تیری آواز کا منتظر ہوں
مجھے اپنی تصدیق کے گنجلکے چیستانوں سے
باہر نکلنے کا رستہ بتا دے
علینا! علینا! علینا!
کی رچنا رچا دے!

## نئی اوڈیسی

### محمد حمید شاہد

مجھے اصرار ہے کہ ''علینہ'' کو
اردو کی معدودے چند
باقی رہ جانے والی نظموں میں شمار کیا جائے گا
کیونکہ اس میں فرشی کی قوت متخیلہ
کوندے کی طرح ایک ہی ساعت میں
کئی زمینوں اور زمانوں پر سے لپک کر
ابدیت کے کناروں کو چھو لیتی ہے
وہ اپنے امیجز کی تعمیر کے لیے
اس بے کنار زمانی و مکانی علاقے سے
غیر مانوس مماثلتیں اور انوکھے تضادات
اور پھر ان کے جواز برآمد کر کے

نظم کے کینوس پر یوں بکھیر دیتا ہے
کہ ایک مربوط بصری اور معنوی نظام ترتیب پا جاتا ہے
یوں فن پارے کے بطن سے
ایسا طلسماتی ماحول وجود پذیر ہوتا ہے
جہاں زمان و مکاں ' قدیم و جدید ' اساطیر و سائنس
فلسفہ و تصوف ' ارتقاء و فنا ' مذہب و تعقل ' مادہ و روح
موت اور محبت سب ایک دوسرے سے مربوط ہو کر
براہ راست ترسیل کے بجائے
امیجز کے ذریعے
نئی بوطیقا تشکیل دیتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں
نہ تو معنی کی مطلقیت اور قطعیت ہوتی ہے
اور نہ شاعرانہ تصنع
یوں وہ اپنی نظم کے لیے ایسا نظام وضع کر لیتا ہے
جس کے ذریعے انسان اور فطرت کے نامیاتی تعلق سے
پیدا ہونے والے معلوم تضادات کے کنگروں سے
ورا منطقے دریافت ہونے لگتے ہیں
اور نظم دانشورانہ ادراک اور ارادی شعور سے
اگلی منازل کی اوڈیسی بن جاتی ہے

مجھے اصرار ہے کہ "علینہ" کو
اردو کی معدودے چند
باقی رہ جانے والی نظموں میں
شمار کیا جائے گا
کیونکہ اس میں فرشی کی قوت متخیلہ
کوندے کی طرح ایک ہی ساعت میں
کئی زمینوں اور زمانوں پر سے لپک کر
ابدیت کے کناروں کو چھو لیتی ہے

محمد حمید شاہد